عن أبی سعید ﷺ قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ: التاجر الصدوق الأمین مع النبیین و الصدیقین و الشہداء. رواہ الترمذی . (مشکوۃ ص:۲۴۳)

''حضرت ابوسعید خدری ﷺ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: (قول وفعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

مختصر دورۂ تجارت

مُرتِّب

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب

خلیفۂ مجاز

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

تلمیذ رشید

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی

ناشر

تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

societyrectifier@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

......تمہید......

چند ماہ قبل دین کا درد رکھنے والے اور احکام و مسائلِ شرعیہ کی اہمیت جاننے والے کچھ ساتھی ہمارے ہاں تشریف لائے اور یہ مطالبہ کیا کہ اہم احکام و مسائل خصوصاً مسائل تجارت ہمیں سبقاً سبقاً پڑھائے جائیں، چنانچہ ان کی طلب اور شوق کی بدولت ہر اتوار کو بعد نمازِ ظہر کم و بیش ایک گھنٹے کا وقت ایسے ساتھیوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور بہت سے دیگر تجار اور ملازمت پیشہ احباب بھی بڑی پابندی کے ساتھ اس درس میں شریک ہوتے رہے۔ درس کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ وہ احکام و مسائلِ تجارت جو نہایت اہم نوعیت کے حامل ہیں اور ان سے ناواقفیت عام ہے، ان کو املاء کروایا جاتا تھا۔ درس کے دوران ہی شدت سے اس بات کا احساس ہوتا رہا کہ معاشرے کے دیگر طبقات کی طرح تجار کے طبقہ میں بھی مسائلِ شرعیہ کے بارے میں کافی کمزوری پائی جاتی ہے، حتی کہ بعض تجار نے یہاں تک بھی کہا: ہمیں چاہیے تھا کہ ہم تجارت بھی علماء سے سیکھتے، ہم نے تو تجارت بازار میں سیکھی ہے، لہٰذا جائز ، ناجائز، حلال و حرام کا ہمیں پتہ ہی نہیں! ۔اسی کے ساتھ ساتھ مسائلِ شرعیہ کے دوروں کے حوالے سے اسفار میں بعض علاقوں میں تجارت کے لیے بھی ان مسائل کی نشستیں رکھی گئیں، جن میں ان مسائل کی تدریس سے عام تجار حضرات نے بہت فائدہ محسوس کیا۔ اب انہیں املاء کردہ مسائل کو باحوالہ افادۂ عام کی خاطر شائع کیا جارہا ہے۔

علماءِ کرام و مفتیانِ عظام خصوصاً ائمہ حضرات اگر عام تجار کو درساً درساً یہ رسالہ پڑھانے کی ترتیب بنا دیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت فائدے کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمادیں۔ آمین

تنبیہ نمبر۱ : ان مسائل کے بارے میں مزید تفصیلات ہماری درج ذیل دیگر کتب میں موجود ہیں لہٰذا جو احباب مزید تفصیل چاہتے ہوں وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں:

(۱) مسلمان تاجر (۲) حرام ذرائع آمدن اور ان کی مروجہ صورتیں

(۳) چار مسائل (۴) کرنسی، ہنڈی و حوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت

تنبیہ نمبر۲ : کتاب و سنت کی وہ نصوص جن میں حلال کی فضیلت اور حرام پر شدید وعیدیں آئی ہیں

ذیل میں لکھی جاتی ہیں تاکہ مسائل کی اہمیت اور ان کے مطابق عمل کی توفیق ہو:

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَموَالَكُم بَينَكُم بِالبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُم وَلَا تَقتُلُوا أَنفُسَكُم إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُم رَحِيمًا. وَمَن يَّفعَل ذٰلِكَ عُدوَانًا وَّظُلمًا فَسَوفَ نُصلِيهِ نَارًا وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا. إِن تَجتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنهَونَ عَنهُ نُكَفِّر عَنكُم سَيِّئَاتِكُم وَنُدخِلكُم مُّدخَلًا كَرِيمًا.[النساء: ۲۹، ۳۰، ۳۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی شرائطِ شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔ اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اور اس طور پر کہ حد سے گزر جائے اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ امر اللہ تعالیٰ کو آسان ہے۔ جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری کام ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرمادیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کردیں گے۔ (بیان القرآن)

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : أَلَا لَا تَظْلِمُوا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ.

رواه البيهقي في شعب الايمان و الدارقطني في المجتبى.

(المشكوة ، ص: ۲۵۵، ط: قديمی)

’’خبردار! کسی پر ظلم مت کیا کرو، خبردار! کسی آدمی کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر ہڑپ کرنا حلال نہیں‘‘۔

عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا و إن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا. و قال:﴿ يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء، يا رب يا رب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذي بالحرام فأنّٰى يُستجاب لذلك. رواه مسلم. (مشكوة ص: ۲۴۱، ط: قديمي)

’’حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور

عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں) یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک اور حلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے"۔

عن أبی سعید ﷺ قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ: التاجر الصدوق الأمین مع النبیین و الصدیقین و الشہداء. رواہ الترمذی . (مشکوۃ ص:۲۴۳،ط:قدیمی)

"حضرت ابوسعید خدری ﷺ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: (قول وفعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

عن أبی بکر ﷺ أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لا یدخل الجنۃ جسد غذی بالحرام.

(رواہ البیہقی فی شعب الإیمان. مشکوۃ ص:۲۴۲،ط:قدیمی)

"حضرت ابوبکر ﷺ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور سزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔

عن ابن عباس قال: تلیت ھذہ الآیۃ عند النبی ﷺ ﴿یا أیھا الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً﴾ فقام سعد بن أبی وقاص فقال : یا رسول اللّٰہ أدع اللّٰہ أن یجعلنی مستجاب الدعوۃ . فقال : یا سعد! أطب مطعمک تکن مستجاب الدعوۃ والذی نفس محمد بیدہ إن الرجل لیقذف اللقمۃ الحرام فی جوفہ فما یتقبل منہ أربعین یوماً وأیما عبد نبت لحمہ من السحت والربا فالنار أولی بہ.(ابن کثیر: ۱/۲۰۳ ، ط:قدیمی ،در منثور ۱/۳۶۸،ط:دار احیاء التراث العربی)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی ﴿یا أیھا الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً...... ﴾ تو حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجیے کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! اپنا کھانا حلال اور پاکیزہ بنالو، مستجاب

الدعوات بن جاؤ گے“، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، یقیناً ایک شخص اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، اور جس بندے کا گوشت (یعنی جو جسم) رشوت اور سود (حرام مال) سے نشو ونما پائے وہ دوزخ کی آگ کے زیادہ لائق ہے۔

مال کمانے کے طریقے:

مال کمانے کے دو طریقے ہیں:

(۱) انفرادی کاروبار، یعنی سرمایہ بھی اپنا ہو اور محنت بھی اپنی ہو۔

(۲) مشترک کاروربار، جس میں ایک سے زائد افراد شریک ہوں۔

انفرادی کاروبار کا شریعت کے مطابق ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

(۱) جس چیز اور جنس کا کاروبار کیا جا رہا ہے شرعاً اس کا کاروبار جائز ہو، جیسے کپڑا، غلہ، پلاٹ وغیرہ کا کاروبار جائز ہے اور ہیروئن، شراب، چرس، بھنگ وغیرہ کا کاروبار جائز نہیں۔

(۲) روزمرہ خرید وفروخت کے معاملات بھی شرعی اصولوں کے مطابق ہوں، اگر شریعت کے مطابق ہیں تو جائز ورنہ ناجائز۔

انفرادی کاروبار کے قوانین:

قانون نمبر۱: بیچی جانے والی چیز کا ملکیت میں ہونا ضروری ہے۔

شریعت کا قانون ہے کہ جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں۔

قال ملک العلماء الكاساني رحمه الله تعالى: ومنها وهو شرط انعقاد البيع للبائع أن يكون مملوكا للبائع عندالبيع فإن لم يكن لا ينعقد وإن ملكه بعد ذلک بوجه من الوجوه إلا السلم خاصة وهذا بيع ما ليس عنده ونهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم .(بدائع الصنائع ۴/ ۳۳۹،ط:رشيدية)
ـــ كذا في الهندية ۳/۳،ط:رشيدية

مثال نمبر۱: ایک شخص نے کسی مکان یا پلاٹ یا گاڑی کی قیمت معلوم کر لی کہ مثلاً دس لاکھ میں خرید سکتا ہوں اور خریدنے سے پہلے دوسرے کو مثلاً پندرہ لاکھ میں بیچ دی تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سودا اور معاملہ ناجائز ہے۔

مثال نمبر۲: ایک شخص دکاندار کے پاس آیا کہ مثلاً مجھے اتنے ہیٹر یا اتنا کپڑا وغیرہ سامان چاہیے جبکہ دکاندار کے پاس مطلوبہ سامان نہیں، دکاندار نے کسی اور کو فون کیا اور اس سے مطلوبہ سامان کے بارے

میں دریافت کیا کہ اس کے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: موجود ہے، اب اِس دکاندار نے گاہک سے اُس سامان کا سودا کرلیا جو ابھی دوسرے دکاندار کی ملکیت میں ہے تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سودا اور معاملہ ناجائز ہے۔

مثال نمبر۳: کسی شخص نے فیکٹری سے کوئی سامان بُک کرایا، پھر آگے فروخت کردیا تو یہ آگے فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ وہ سامان ابھی اِس کی ملکیت میں نہیں آیا۔

مثال نمبر۴: کسی شخص، ادارے، کمپنی یا بینک سے......کوئی مکان، گاڑی یا سامان......کرایہ (لیز) پر لیا تو کرایہ دار کے لیے اس کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ کرایہ پر لی گئی چیز کا مالک کرایہ دار نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک ہوتا ہے۔

الحاصل! جو سامان بیچا جانا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی ملکیت میں آئے، ملکیت میں آنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔ ہاں! گاہک سے بیع اور بیچنے کا وعدہ کرسکتا ہے، لیکن وعدہ کے جواز کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ وعدہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو مجبور کرنا جائز نہیں۔

اس کا حوالہ آگے قانون نمبر۸ کے حاشیہ میں ملاحظہ کریں۔

قانون نمبر۲: بغیر قبضہ کیے کسی چیز کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔

شریعت کا قانون ہے کہ جو چیز آپ کے قبضے میں نہیں آئی اس کو آگے بیچنا جائز نہیں، جیسے گاڑی، مکان، چاول، کپڑے کی بیع اور سودا کرلیا اور کچھ بیعانہ بھی دے دیا یا ساری رقم ادا کردی جس کی وجہ سے آپ کی ملکیت آگئی، مگر ابھی تک بیچنے والے نے قبضہ نہیں دیا، قبضہ بیچنے والے کا برقرار ہے، لہٰذا اس چیز کو ابھی آگے بیچنا خریدار کے لیے ناجائز ہے۔

قال الامام المرغینانی رحمه الله تعالی: ومن اشتری شیأ مما ینقل ویحول، لم یجز بیعه حتی یقبضه لانه نهی عن بیع مالم یقبض ولان فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک. (الهدایة ۳/۷۸، رحمانیه)
ــ كذا فی البدائع ۴/۳۹۴، ط: رشیدیة

مثال نمبر۱: ایک شخص دکاندار یا کسی فیکٹری والے کے پاس کپڑا، اناج وغیرہ سامان خریدنے گیا جبکہ دکاندار یا فیکٹری والے کے پاس مطلوبہ سامان موجود نہیں، اُس نے آگے کسی اور کو فون کرکے مطلوبہ سامان کی خریداری کرلی اور پھر گاہک کو مطلوبہ سامان بیچ دیا تو یہ سودا اور خرید و فروخت جائز نہیں، اس لیے کہ دکاندار یا فیکٹری والے نے جو سامان گاہک کو فروخت کیا ہے اس پر قبضہ نہیں کیا۔

مثال نمبر۲: بیرون ملک سے کوئی سامان خریدا اور رقم کی ادائیگی بھی کردی، اور خریدار کی طرف سے جہاز میں وہ سامان رکھوا دیا گیا اور ابھی وہ سامان راستے میں ہے، اور خریدار نے وہ سامان آگے کسی کو بیچ دیا، پھر اس نے کسی تیسرے شخص پر فروخت کردیا تو خرید وفروخت کا یہ دوسرا معاملہ جائز نہیں، اس لیے کہ وہ سامان ابھی تک دوسرے خریدار کے قبضے میں نہیں آیا۔

مثال نمبر۳: زید نے کسی فیکٹری سے مخصوص کپڑے کے سو تھان خریدے فی تھان ایک ہزار روپے کے بدلے میں اور ابھی تک کپڑے پر قبضہ نہیں کیا اور عمرو کو وہی کپڑا فی تھان بارہ سو روپے کے حساب سے بیچ دیا اور عمرو سے کہا: فلاں فیکٹری سے جا کر کپڑا اٹھالو...... تو یہ خرید وفروخت جائز نہیں اس لیے کہ زید نے عمرو کو جو کپڑا بیچا ہے اس پر خود قبضہ نہیں کیا۔

مثال نمبر۴: دکاندار نے فیکٹری سے سو بوری سیمنٹ خریدی اور آگے گاہک کو بیچ کر فیکٹری فون کیا کہ اتنی سیمنٹ فلاں جگہ پہنچا دو تو یہ جائز نہیں، اس لیے کہ ابھی تک دکاندار نے سیمنٹ پر خود قبضہ نہیں کیا۔

تنبیہ نمبر۱: ایسے معاملات میں جواز کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر وکیل کے ذریعے مبیع اور سامان پر قبضہ ممکن ہو تو مبیع کے پاس کسی کو وکیل بنا کر قبضہ کرلے، پھر آگے بیچے۔

(۲) فی الحال وعدۂ بیع کرے، بیع نہ کرے، جب سامان قبضے میں آجائے تو وعدہ کے مطابق بیع کرے۔

تنبیہ نمبر۲: کرایہ پر دیے گئے مکان یا دکان کو جبکہ کرایہ داری کی مدت باقی ہو آگے کسی اور کو فروخت کرنا کرایہ دار کے حق کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اگر فروخت کردیا تو مدتِ اجارہ تک یہ بیع موقوف ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : تفسخ بالقضاء او الرضاء(بخيار شرط ورؤية)......(و) بعذر(افلاس مستأجر دكان ليتجر)......بخلاف(بيع ماآجره)فانه ايضا ليس بعذر بدون لحوق دين كما مر ويوقف بيعه الى القضاء مدتها هو المختار.(الشامية ۶/۷۶ تا۸۳،ط:سعيد)

قانون نمبر۳: مبیع (بیچی/خریدی جانے والی چیز) کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

جو چیز خریدی/بیچی جائے وہ معلوم ہو، اگر مجہول و نامعلوم ہے تو بیع جائز نہیں۔

قال ملك العلماء الكاساني رحمه الله تعالى : ومنها : ان يكون المبيع معلوماً وثمنه معلوما علما يمنع من المنازعة فان كان احدهما مجهولا جهالة مفضية الى المنازعة فسد البيع،......وبعد اسطر......وبيانه في مسائل اذا قال :بعتك شلة من هذا القطيع اوثوبامن هذا العدل فالبيع فاسد،لان الشاة من القطيع والثوب من العدل...... مجهول جهالة مفضية الى المنازعة.(البدائع ۴/۳۵۵،ط:رشيدية)

ـ كذا في الشامية ۷/۴۶،ط:رشيدية

مثال نمبر ۱: دکاندار سے کسی گاہک نے کپڑے کا ایک تھان خریدا لیکن اس تھان کی تعیین نہیں کی اور دکان میں مختلف کیفیات (کوالٹی) کے تھان پڑے ہوئے ہیں تو اس طرح غیر متعین اور مجہول تھان کا بیچنا جائز نہیں۔

مثال نمبر ۲: کسی نے ہزار گز رقبہ پر سو پلاٹ بنائے، اب یہ بدوں تعیین ایک ایک پلاٹ بیچ رہا ہے تو اس طرح پلاٹوں کا بیچنا اور خریدنا بھی جائز نہیں، پلاٹ کے محل کے عدم تعین اور عدم علم کی وجہ سے۔ اسی طرح اگر نقشے میں تو پلاٹ متعین ہے لیکن خارج میں زمین پر متعین نہیں تو بھی جائز نہیں۔

قانون نمبر ۴: جو چیزیں وزن کے حساب سے فروخت کی جاتی ہوں ان کی خرید و فروخت میں مشتری کے سامنے تولنا ضروری ہے۔

مثال نمبر ۱: دکاندار سے فون پر دس ٹن لوہا خریدا اور دکاندار نے وزن کر کے لوہا مشتری کے پاس بھجوا دیا تو یہ صورت جائز نہیں، اس لیے کہ لوہا مشتری کے سامنے نہیں تولا گیا۔

مثال نمبر ۲: گاہک نے دکاندار کے پاس جا کر دس کلو چینی خریدی اور تولنے کا کہہ کر خود کسی اور کام سے چلا گیا اور دکاندار نے دس کلو چینی اس کی غیر موجودگی میں تول کر رکھ دی اور گاہک نے واپس آ کر وہ چینی لے لی تو یہ صورت جائز نہیں، اس لیے کہ چینی کو مشتری کے سامنے نہیں تولا گیا۔

ایسے معاملات کے جواز کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(۱) مشتری کے سامنے وزن ہو۔ (۲) مشتری کے وکیل کے سامنے وزن ہو۔

(۳) اگر مشتری اپنا مملوکہ تھیلا اور بوری وغیرہ بھی بائع کو حوالے کر دے تو یہ اس کا قائم مقام ہے۔

قال العلامة عالم ابن العلاء الانصاری رحمه الله تعالیٰ :قال محمد رحمه الله تعالیٰ: واذا اشتری الرجل من آخر طعامامکایلة وقبضه فانه لا یأکله ولا یبیعه ولا ینتفع به، حتی یکیله. وفی التفرید : هذا اذا کاله البائع قبل البیع ، وان کاله بعد البیع بحضرة المشتری مرة کفاه ذلک عند عامة المشایخ وهو الصحیح، وفی التهذیب : وعلیه الفتویٰ.(التتارخانیة ۸/ ۴۴۹،ط:فاروقیة)

ـ کذا فی امداد الاحکام ۳/۳۷۴،ط:دار العلوم کراچی

قال العلامة الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : ولو اشتری من انسان کرا بعینه ودفع غرائره وأمره بأن یکیل فیها ففعل صارقا بضا سواء کان المشتری حاضر اوغائبا لان المعقود علیه معین وقد ملکه المشتری بنفس العقد فصح أمر المشتری لانه تناول عینا هو ملکه فصح أمره وصار البائع وکیلا له وصارت یده ید المشتری.

(البدائع ۵/۲۴۷،ط:رشیدیة)

ـ کذا فی فتح القدیر ۶/۴۷۵...۴۷۸،ط:رشیدیة جدید

ڈبوں میں پیک سامان کی خرید وفروخت کا حکم

(۱) ڈبوں اور تھیلیوں میں پیک اشیاء کا خریدنا جائز ہے، اشارے کے ساتھ یہ متعین اور معلوم ہیں۔ ان پر جو وزن لکھا اور بتایا جاتا ہے وہ صفت اور پہچان کے لیے ہے، اس لیے ان کا وزن کرنا ضروری نہیں۔

(۲) دودھ، آئل وغیرہ تیلوں کی جو لیٹر کے اعتبار سے پیکنگ ہوتی ہے اس کا حکم بھی یہی ہے کہ جائز ہے۔

قال العلامة خالد الاتاسی رحمه الله تعالى : المادة : ۲۰۳. (اذا كان المبيع حاضرا فی مجلس البيع تكفی الاشارة الى عينه) لان الاشارة ابلغ اسباب التعريف. وجهالة قدره ووصفه بعد ذلک لايفضی الى المنازعة فلا يمنع الجواز. (زيلعی). (شرح المجلة للأتاسی ۲/ ۹۰، ط: رشيدية)

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: بائع اور مشتری دونوں کا مقصد وہ خاص ڈبہ اور لفافہ ہوتا ہے اس پر لکھا ہوا وزن بیع میں مشروط نہیں ہوتا اس لیے بدوں وزن کیے اس میں تصرف جائز ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۹۹، ط: ایچ ایم سعید)

(۳) بعض مارکیٹوں میں اشیاء پر ان کی قیمت لکھی ہوئی ہوتی ہے، لہٰذا وہی قیمت جمع کر کے اس چیز کو اٹھانا اور زبان سے بیع وشراء وغیرہ کے الفاظ نہ کہنا بھی جائز ہے اور اس سے بیع اور معاملہ ہو جاتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''بیع تعاطی'' کہتے ہیں۔

وفی الهندية : وقد يكون البيع بالأخذ والاعطاء من غير لفظ ويسمى هذا البيع بيع التعاطی كذا فی فتاوىٰ قاضيخان. (الهندية ۳/ ۹، ط: رشيدية)

قانون نمبر ۵: مبیع میں ادھار جائز نہیں۔

ثمن اور قیمت میں ادھار ہو سکتا ہے، جائز ہے۔ مبیع اور سامان (بیچی جانے والی چیز) میں ادھار جائز نہیں۔

وفی البحر : وقيدنا بتأجيل الثمن لان تأجيل المبيع المعين لا يجوز ويفسده كما فی الجوهرة. (البحر الرائق ۵/ ۴۶۷، ط: رشيدية)

قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالى: ولو باع مطلقا عنها ای عن هذه الآجال ثم أجل الثمن الدين، اما تاجيل المبيع او الثمن العينی فمفسد ولو الى معلوم. (الشامية ۷/ ۲۷۹، ط: رشيدية)

۔ كذا فی بدائع الصنائع ۴/ ۳۸۴، ط: رشيدية

مثال نمبر ۱: ایک شخص نے دوسرے سے پلاٹ مثلاً دس لاکھ میں اس شرط پر خریدا کہ تین لاکھ نقد دے گا اور سات لاکھ چودہ مہینے کی اقساط پر ادا کرے گا اور اقساط کی ادائیگی سے قبل پلاٹ کا قبضہ دے کر حوالے نہیں کرے گا تو یہ صورت ناجائز ہے۔

مثال نمبر ۲: ایک شخص نے بنگلے کا سودا کیا اس شرط پر کہ اس کی کل رقم ایک سال میں ادا کرے گا لیکن

جب تک ادائیگی مکمل نہیں ہوگی بنگلہ حوالہ کر کے قبضہ نہیں دوں گا، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

بیع فاسد کا حکم:

(۱) قبضہ سے پہلے ملکیت نہیں آتی۔

(۲) قبضہ کے بعد بھی فریقین پر واجب ہے کہ اس سے توبہ کر کے بیع کو فسخ کر کے ختم کریں اور دوبارہ شریعت کے مطابق معاملہ کریں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ :(و)یجب(علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض......او بعده مادام المبیع) بحاله...... لانه معصیة فیجب رفعها.

وقال العلامة الرافعی رحمه الله تعالیٰ: فیفسخه کل من العاقدین ولو بعد القبض، وقید به لان البیع الفاسد قبل قبض المبیع لایفید الملک.(الشامیة ۲۹۳/۷،ط:رشیدیة)

ــکذا فی البدائع ۵۸۴/۴،ط:رشیدیة

(۳) فسخ نہ کیا تو یہ بحکمِ سود ہے اور سود پر وعیدیں سب کو معلوم ہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ : (فضل) ولو حکما فدخل ربا النسیٔة والبیوع الفاسدة فکلها من الربا.(الشامیة ۴۱۷/۷،ط:رشیدیة)

ــکذا فی امداد الفتاویٰ ۴۶۶/۳،ط:دار العلوم کراچی

(۴) اگر آگے نفع پر بیچا تو وہ نفع حرام اور خبیث ہے اور اس پر واجب ہے کہ اس نفع کو بدوں نیت ثواب مساکین پر صدقہ کرے۔

قال الامام المرغینانی رحمه الله تعالی : (ومن اشتری جاریة بیعا فاسدا وتقابضا، فباعها وربح فیها تصدق بالربح.(الهدایة ۶۷/۳،ط:رحمانیه)

ــکذا فی التتارخانیة ۴۵۸/۸،ط:فاروقیه

قانون نمبر ۶: اقالہ (واپسی) کی شرط پر خرید و فروخت ناجائز ہے۔

''اقالہ'' کی شرط پر سامان خریدنا اور بیچنا ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہے یعنی اگر گاہک نے اس شرط پر سامان خریدا کہ اگر یہ سامان نہیں بکا تو سامان واپس کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالی : لیس کل شرط یفسد البیع، بل لا بد ان لا یقتضیه العقد ولا یلائمه ولا یتعارف،وکان فیه منفعة لاحد المتعاقدین.(النهر الفائق ۴۳۴/۳،ط:امدادیة)

اقالہ اور واپسی کی شرط پر معاملہ کی کل چار صورتیں ہیں:

(۱) عقد بیع سے پہلے شرط لگائی کہ بعد میں جو عقد اور معاملہ ہوگا وہ اگرچہ الفاظ میں مطلق ہوگا لیکن حقیقۃً اور حکماً اس شرط کے ساتھ مشروط ہوگا۔

(۲) صلبِ عقد میں یہ شرط لگائی یعنی گاہک نے کہا کہ اس شرط پر خرید تا ہوں کہ کسی وجہ سے اگر مجھے واپس کرنا پڑا تو آپ کو واپس لینا پڑے گا اور بائع نے قبول کیا۔

(۳) زبانی طور پر اس شرط کا ذکر نہ ہو نہ ہی پہلے ہوا اور نہ ہی عقد و معاملہ کرتے وقت ہو، البتہ عرف اور تجار کے معاملہ کی وجہ سے فریقین جانتے ہوں کہ ہمارا یہ معاملہ اور بیع واپسی کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

(۴) عقد اور معاملے کے مکمل ہونے کے بعد شرط لگائی جائے، یعنی نہ پہلے شرط کا ذکر ہو نہ عقد کے وقت اس کا ذکر ہو اور نہ ہی ذہنوں میں ہو، البتہ جب عقد مکمل ہوا تو بائع نے مشتری سے کہا یا مشتری نے بائع سے کہا کہ کسی وجہ سے اگر سامان واپس ہوا تو بائع بخوشی قبول کرے گا اور اس کی رقم واپس کرے گا۔

حکم: ان چار صورتوں میں پہلی تین صورتیں ناجائز ہیں اور معاشرہ میں یہی تین صورتیں رائج ہیں جبکہ آخری صورت جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : وقيل بيع يفيد الانتفاع به وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية : وعليه الفتوى، وقيل ان بلفظ البيع لم يكن رهنا، ثم ان ذكرا الفسخ فيه او قبله اوزعماه غير لازم كان بيعا فاسدا، ولو بعده على وجه الميعاد جاز. (الشامية ۷/ ۵۸۱، ۵۸۲، ط: رشيدية)

قانون نمبر ۷: شرطِ فاسد قبول کرنے سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے وقوع کا احتمال بھی نہ ہو۔

شرطِ فاسد قبول کرنے سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے اگرچہ اس شرط فاسد کے نتیجے اور اثر سے کوئی محفوظ بھی رہے، مثلاً کسی نے گاڑی قسطوں پر خریدی اور یہ شرط لگائی کہ قسط ادا کرنے میں اگر تاخیر ہوئی تو ایک ہزار جرمانہ دینا پڑے گا، تو یہ بیع اور معاملہ اس شرط کے لگانے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا، اگرچہ کوئی خریدار کہے کہ میں قسط ادا کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کروں گا اور مجھ پر کبھی جرمانہ نہیں آئے گا لیکن یہ شرط ماننے سے معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ : ليس كل شرط يفسد البيع، بل لا بد ان لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعة لاحد المتعاقدين. (النهر الفائق ۳/ ۳۴۴، ط: امدادية)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (و) لا (بيع بشرط)...... (لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لاحدهما أو) فيه نفع (المبيع) هو (من اهل الاستحقاق). (الشامية ۷/ ۲۸۲...۲۸۴، ط: رشيدية)

تنبیہ: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کریڈٹ کارڈ جس کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں سود دینے کی شرط ہوتی ہے، اس شرط کے قبول کرنے سے اس کا استعمال ناجائز ہوگا اگرچہ کوئی کہے کہ مجھ سے نہ تاخیر ہوگی، نہ سود لگے گا۔

قانون نمبر ۸: وعدۂ بیع جائز ہے، وعدہ کی وجہ سے مجبور کرنا جائز نہیں۔

وعدۂ بیع جائز ہے لیکن اس وعدہ کی شرط پر ایک دوسرے کو بیچنے اور خریدنے پر مجبور کرنا ناجائز ہے، مثلاً زید نامی شخص نے خالد سے کہا کہ آپ بیس لاکھ کی گاڑی خرید لو، پھر میں تجھ سے خرید لوں گا، معاہدہ کے بعد خالد نے گاڑی خرید لی اور قبضہ میں لے کر وعدہ کے مطابق زید کو بیچ دی اور زید نے بخوشی خرید لی تو یہ معاملہ جائز ہے، البتہ اگر زید نے کہا کہ پہلے خریدنے کا ارادہ تھا لیکن اب کسی وجہ سے نہیں خرید سکتا تو شرعاً زید کو انکار کا حق حاصل ہے، خالد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زید کو اس گاڑی کے لینے پر مجبور کرے یا گاڑی نیلام کر کے کسی اور کو نقصان پر بیچ دے اور وہ نقصان زید سے وصول کرے۔

اسی طرح اگر خالد نے کسی اور کو بیچنے میں مصلحت سمجھی اس لیے زید کو دینے سے انکار کیا تو زید کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ خالد کو وعدے کی بنیاد پر بیچنے پر مجبور کرے۔ اور اس صورت میں وعدہ خلافی کا گناہ بھی کسی فریق کو نہیں ہوگا۔

فی الهندیة : فإن أنجز وعده كان حسنا وإلا فلا يلزمه الوفاء بالمواعيد وإن كانا شرطا فی البيع ذلک كان مفسدا للبيع. كذا فی الظهيرية. (الهندية ۴/۴۲۶، رشيدية)

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ’’اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زید عمرو کو اور عمرو زید کو بیع وشراء پر بناء بر وعدہ سابقہ مجبور نہ کرے تو جائز ہے اور اگر مجبور کرے ناجائز ہے‘‘۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۰، ط: دار العلوم کراچی)

وعدہ کی تفصیل اور احکام ذیل میں ملاحظہ ہوں:

وعدہ کی قسمیں:

وعدہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وعدہ کرتے وقت پورا نہ کرنے کی نیت ہو۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور حدیث میں اس کو منافقت کی علامت کہا گیا ہے، ’’اذا وعد اخلف‘‘ سے مراد یہی صورت ہے۔

(۲) وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کی نیت تھی، بعد میں کسی عذر (پیسہ نہ ہونے یا ملازمت چھوٹ جانے وغیرہ) کی وجہ سے پورا نہ کر سکے، ایسی صورت میں وعدہ پورا نہ کرنے میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں، لہٰذا اس کو طعنہ دینا اور زبان کا کچا کہنا جائز نہیں۔

(۳) وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کی نیت تھی، بعد میں بلا خاص اور عذر معتبر کے ارادہ بدل گیا اور انکار کر دیا تو اس صورت میں وعدہ پورا کرنا بہتر اور مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) میں سے ہے اور پورا نہ

کرنا مکروہ ہے۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال : اذا وعد الرجل أخاہ ومن نیتہ ان یفی لہ، فلم یف ولم یجئ للمعیاد، فلا اثم علیہ. رواہ ابو داود والترمذی. (مشکوۃ ۲/۴۱۶، ط: قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : قال النووی: أجمعوا علی أن من وعد إنسانا شیًا لیس بمنھی عنہ فینبغی أن یفی بوعدہ وھل ذلک واجب أو مستحب فیہ خلاف ذھب الشافعی وأبو حنیفۃ والجمھور إلی أنہ مستحب فلو ترکہ فاتہ الفضل وارتکب المکروہ کراھۃ شدیدۃ ولا یأثم یعنی من حیث ھو خلف وإن کان یأثم إن قصد بہ الأذی ...... فلا بد من الوفاء إلا أن یتعذر فإن کان عند الوعد عازما علی أن لا یفی بہ فھذا ھو النفاق. (المرقاۃ ۸/۶۲۸، ط: رشیدیۃ)

۔کذا فی فیض القدیر ۲/۲۸، ط: قاھرۃ

قانون نمبر ۹: مبیع میں عیب کی وجہ سے خریدار کو واپسی کا حق حاصل ہے۔

ہر خریدار کو شریعت نے عیب کی وجہ سے سامان واپس کرنے اور رد کرنے کا حق دیا ہے بشرطیکہ وہ عیب سامان خریدنے سے پہلے سامان میں موجود ہو اور بیچنے والے نے عیب سے براءۃ کی شرط نہ لگائی ہو، اگر شرط لگا دی تو پھر عیب کی وجہ سے واپس کرنا جائز نہیں۔

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالی : واذا اطلع المشتری علی عیب فی المبیع فھو بالخیار، ان شاء اخذہ بجمیع الثمن ، وان شاء ردہ ......وبعد اسطر......والمراد عیب کان عند البائع ولم یرہ المشتری عند البیع ولا عند القبض لان ذلک رضا بہ.

قال المحقق ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ : قولہ(واذا اطلع المشتری الخ) ولم یکن شرط البراءۃ من کل عیب. (فتح القدیر ۶/۳۲۷ ... ۳۲۹، ط: رشیدیۃ)

۔کذا فی الشامیۃ ۵/۵، ط: سعید

مثال نمبر ۱: گاہک نے دکاندار سے کپڑے کا تھان خریدا اور جب گھر لا کر اس کو کھول کر دیکھا تو کپڑا بعض جگہ سے پھٹا ہوا یا داغ دار تھا تو اس عیب کی وجہ سے گاہک کو کپڑا واپس کرنے کا اختیار ہے۔

مثال نمبر ۲ : مالک اور موکل نے اگر وکیل کے واسطے سے کوئی سامان خرید کر قبضہ کر لیا اور عیب کے باوجود واپس نہ کیا تو عیب کی وجہ سے اس کا رد کرنے کا حق ختم ہو جائے گا، البتہ یہ سامان اب جب وکیل کے ہاتھ بیچے گا تو وکیل کو عیب کی وجہ سے رد کرنے کا حق حاصل ہے، مالک اور موکل کو اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ: سوال ۳۶: زید نے عمرو سے کہا کہ میں تم کو روپیہ دیتا ہوں اور تمہارے لانے کی اور بار برداری کی اجرت و کرایہ دیتا ہوں تم میرے اجیر بن کر مال لا دو تا کہ پھر تم اس مال میں نقص نہ بتاؤ۔ الجواب :اس کہنے سے عمرو کا حق مال کو ناقص بتلانے کا وقت بیع مرابحہ بیٹھما زائل نہیں ہوا، عمرو کو مثل مشتری اجنبی کے تمام حقوق حاصل ہیں...... مگر جب مال کو قبول کر لیا تو زید کو تو کوئی حق نہیں رہا مگر عمرو کو یہی حق حاصل ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۱، ط: دار العلوم کراچی)

قانون نمبر ۱۰: بیع عینہ ناجائز ہے۔

جس کو سامان ادھار پر بیچا ہے اس سے ادھار ہوتے ہوئے وہی سامان کم قیمت پر خریدنا جائز نہیں، البتہ اسی قیمت پر جس پر بیچا ہے یا اس سے زیادہ پر خریدنا جائز ہے، مثلاً زید نے عمرو پر گاڑی بیس لاکھ پر قسطوں میں بیچی، تین ماہ بعد عمرو زید سے کہتا ہے کہ یہ گاڑی واپس مجھ سے خرید لو جبکہ ابھی اقساط اور ادھار عمرو کے ذمے باقی ہے، زید کے لیے یہ گاڑی اسی قیمت پر جس پر بیچی تھی یا اس سے زیادہ پر خریدنا جائز ہے، البتہ اس سے کم قیمت پر خریدنا ناجائز ہے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ ان کو مثلاً دس ہزار نقد کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر نفع کے کوئی قرض نہیں دے رہا جبکہ نفع پر قرض لینا اور دینا سود ہے اس لیے یہ شخص دکاندار کے پاس جاتا ہے اور اس سے دس ہزار کی چینی، دالیں اور گھی وغیرہ ادھار اور قسطوں پر پندرہ ہزار کی خریدتا ہے اور پھر اسی دکاندار کو وہی اشیاء دس ہزار نقد پر بیچ دیتا ہے اور نقد روپے لے کر چلا جاتا ہے، شریعت نے اس عادت کو رد کیا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''بیع عینہ'' کہتے ہیں۔

تنبیہ : البتہ اگر استعمال کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب اور نقص پیدا ہو جائے تو اس کے پیشِ نظر ادھار کے ہوتے ہوئے کم قیمت پر بھی لے سکتے ہیں۔

قال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ :قوله (ومن باع جارية بالف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع قبل نقد الثمن) بمثل الثمن او اكثر جاز،وان باعها من البائع باقل لايجوز عندنا...... وبعد اسطر ......بخلاف مالو باعه المشترى من غير البائع فاشتراه البائع منه...... وكذا لو دخل فى المبيع عيب فاشتراه البائع باقل لان الملك لم يعد اليه بالصفة التى خرج فلا يتحقق ربح مالم يضمن ،الخ.(فتح القدير ۳۹۷/۲...۳۹۹،ط:رشيدية) ـكذا فى الشامية ۲۶۸/۷،ط:رشيدية

قانون نمبر ۱۱: ادھار پر بیچی گئی چیز کو ادھار کی وصولی کے لیے روکنا یا ضبط کرنا جائز نہیں۔

جس چیز کو ادھار پر بیچا اب اس چیز کو ادھار کی وصولی کے لیے محبوس کرنا (روکنا، ضبط کرنا) جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے گاڑی تین سالوں تک قسطوں پر بیچ دی، اب خریدار نے دو، تین یا چار قسطیں ادا نہ کیں تو بیچنے والے کے لیے اقساط وصول کرنے کی خاطر گاڑی پکڑ کر اپنے پاس محبوس کرنا جائز نہیں۔ البتہ نقد پر بیچنے کے بعد کہے کہ پیسے کل یا پرسوں دوں گا تو محبوس کر سکتا ہے۔

فی الھندیۃ : قال اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ : للبائع حق حبس المبیع لاستیفاء الثمن اذا کان حالا کذا فی المحیط. وان کان مؤجلا فلیس للبائع أن یحبس المبیع قبل حلول الاجل ولا بعدہ کذا فی المبسوط.(الھندیۃ ۱۵/۳،ط:رشیدیۃ)

۔کذا فی البدائع ۵۰۶/۴،ط:رشیدیۃ

﴿ربا کی حقیقت اور اقسام﴾

ربا کی تعریف : ہر وہ زیادتی جو عوض سے خالی ہو اس کو سود کہتے ہیں۔

قال الامام محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ : والربا فی اللغۃ ھو الزیادۃ، والمراد بہ فی الآیۃ کل زیادۃ لم یقابلھا عوض .(احکام القرآن لابن العربی ۳۲۱/۱،ط:بیروت)

ربا کی دو قسمیں ہیں : (۱) ربا الفضل (۲) ربا النّساء

ربا الفضل کی تعریف : دو ہم جنس و ہم قدر اشیاء کے مبادلے میں کمی زیادتی ہو یا ایک طرف سے ادھار ہو، اس کو ربا الفضل کہتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : باب الربا(ھو) لغۃ : مطلق الزیادۃ وشرعا (فضل) ولو حکما فدخل ربا النسیئۃ (خال عوض)...... (بمعیار شرعی)...... (مشروط) ذلک الفضل (لاحد المتعاقدین).

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ مشروط) ترکہ اولی...... فانہ الزیادۃ بلا شرط ربا ایضا.

(الشامیۃ ۱۶۸/۵...۱۷۰،ط:سعید)

گویا اصطلاح میں جنس کی زیادتی کو بھی فضل کہا جاتا ہے اور ادھار کو بھی فضل کہا جاتا ہے۔

تنبیہ: بعض اوقات لغوی معنی کو دیکھ کر جنس میں زیادتی کو ربا الفضل اور ادھار کو ربا النّساء کہہ دیا جاتا ہے، جبکہ اصطلاح میں دونوں کو ربا الفضل کہا جاتا ہے۔

ربا النّساء کی تعریف: وہ زیادتی جو قرض کی وجہ سے حاصل ہو، خواہ وہ عین کی صورت میں ہو یا منفعت کی صورت میں، اصطلاح میں اس کو ربا النّساء کہا جاتا ہے۔

قال الامام الجصاص رحمہ اللہ تعالی : فمن الربا ماھو بیع، ومنہ مالیس ببیع وھو ربا اھل الجاھلیۃ ھو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادہ مال علی المستقرض.(احکام القرآن للجصاص ۶۴۱/۱،ط:قدیمی)

۔کذا فی البدائع ۴۰۰/۴،ط:رشیدیۃ

تنبیہ: لغوی معنی کے اعتبار سے بعض مرتبہ قرض پر زیادتی کو بھی ربا الفضل کہہ دیا جاتا ہے لیکن اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ربا الفضل کا لفظ قسمِ اول کے ساتھ خاص ہے اور اِس قسم کے ساتھ ربا النّساء کا لفظ خاص ہے۔

قانون نمبر۱۲: سامان کے بدلے سامان بیچنے کی مختلف صورتوں کا قانون:

سامان کے بدلے سامان بیچنے کی مختلف صورتیں ہیں، اور ہر صورت کا حکم الگ الگ ہے:

صورت نمبر۱: دونوں طرف سامان وزنی ہے لیکن ان کی جنس مختلف ہے، جیسے لوہا اور چاول۔

اس صورت کے لیے قانون یہ ہے کہ وزن میں کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے لیکن ادھار نا جائز ہے۔

مثال: جیسے لوہا اور چاول کا آپس میں تبادلہ یا چاول اور کھجور کا آپس میں تبادلہ کہ ایک طرف سے پانچ من اور دوسری جانب سے دس من ہے تو ہاتھ در ہاتھ سودا کرنا تو جائز ہے، البتہ دونوں جانب سے ادھار ہو یا ایک جانب سے ادھار ہو تو یہ جائز نہیں، اس کو سود اور ربا النَّساء کہتے ہیں۔

صورت نمبر۲: دونوں طرف سے مال لیٹر، پیمانہ سے ناپ کر دیا جاتا ہے، البتہ جنس دونوں کی مختلف ہے۔

اس صورت میں بھی ادھار نا جائز ہے اور ہاتھ در ہاتھ کمی زیادتی جائز ہے۔

مثال: ایک جانب سے دودھ ہے اور دوسری جانب سے آئل ہے، آئل دس لیٹر ہے اور دودھ پانچ لیٹر ہے تو یہ معاملہ ہاتھ در ہاتھ جائز ہے، البتہ ایک کا ادھار یا دونوں کا ادھار نا جائز اور سود ہے۔

صورت نمبر۳: دونوں طرف کا سامان وزنی یا کیلی اور لیٹر والا ہے اور جنس بھی ایک ہے، صرف حالت اور کوالٹی کا فرق ہے۔

اس کے لیے قانون یہ ہے کہ برابر سرابر ہو اور ہاتھ در ہاتھ ہو تو جائز ہے، اور اس میں کمی زیادتی اور ادھار خواہ دونوں جانب سے ہو یا ایک جانب سے نا جائز ہے۔

مثال نمبر۱: ایک جانب سے باسمتی چاول اور دوسری جانب سے سیلا چاول ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں دونوں طرف سے وزن بھی برابر ہو اور ادھار بھی نہ ہو۔

مثال نمبر۲: ایک جانب سے آئل اعلیٰ کوالٹی کا اور دوسری جانب سے ادنیٰ کوالٹی کا ہے اور اس کو آپس میں بیچا جائے تو دونوں لیٹر میں برابر ہوں تو جائز ہے، اور مثلاً اگر ایک طرف چار لیٹر ہے اور دوسری جانب سے پانچ لیٹر ہے تو نا جائز ہے، اسی طرح دونوں طرف پانچ، پانچ لیٹر ہے لیکن دونوں طرف ادھار ہے یا ایک طرف سے ادھار اور ایک طرف سے نقد ہاتھ در ہاتھ ہے تو یہ نا جائز ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جیدھا وردیھا سواء'' (ان کا عمدہ اور گھٹیا برابر ہیں)

جواز کی صورت یہ ہے کہ ایک طرف کا سامان یعنی اعلیٰ کوالٹی کا سامان دوسرے پر نقد اور کرنسی کے ساتھ فروخت کرے، مثلاً ایک من عجوہ کھجور دس ہزار میں بیچ دے، اب یہ دس ہزار جو خریدار کے ذمے آ گیا اس دس ہزار پر دو من مبروم کھجوریں اس سے خرید لے۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالی : (واما السنۃ) فما روی ان عامل خیبر اھدی الی رسول اللہ ﷺ تمرا جنیبا، فقال : اوکل تمر خیبر ھکذا ؟ فقال : لا ولکنی اعطیت صاعین واخذت صاعا، فقال علیہ الصلوۃ والسلام : أربیت ھلا بعت تمرک بسلعۃ ثم ابتعت بسلعتک تمرا. (البدائع الصنائع ۵/۱۸۴، ط:سعید)

صورت نمبر۴: دونوں طرف کا سامان نہ تو کیلی ہے اور نہ وزنی اور نہ ہی دونوں کی جنس ایک ہے، اس صورت کا قانون یہ ہے کہ اس میں کمی، زیادتی بھی جائز ہے اور ایک جانب سے ادھار بھی جائز ہے۔

مثال: ایک جانب سے پنکھے اور دوسری جانب سے کرسیاں، ایک نے پانچ پنکھے دیے اور دوسرے نے دس کرسیاں دی یہ بھی جائز ہے، اسی طرح پنکھے تو فی الحال دیے اور کرسیاں پانچ دنوں کے بعد دیں تو بھی جائز ہے، بشرطیکہ کرسیوں کی صفات معلوم ہوں۔

صورت نمبر۵: دونوں طرف سے سامان کی جنس ایک ہو، لیکن نہ عددی ہو نہ ہی کیلی یعنی لیٹر والا تو اس میں زیادتی جائز ہے، البتہ ادھار ناجائز ہے۔

مثال: ایک طرف سے پانچ پنکھے ہوں اور دوسری طرف سے آٹھ پنکھے ہوں اور معاملہ ہاتھ در ہاتھ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے، اگر ادھار ہو تو ناجائز ہے جیسے سودا کرتے ہی پانچ پنکھے حوالہ کر دیے گئے لیکن دوسری جانب کے آٹھ پنکھے ادھار ہوں تو یہ ناجائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ : قولہ :(وحرم الفضل والنساء بھما) ای بالقدر والجنس لوجود العلۃ بتمامھا......(والنساء فقط باحدھما) ای وحرم التاخیر لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط......(وحلا بعدمھما) ای حل الفضل والنساء عند انعدام القدر والجنس......(وجیدہ کردیئہ) ای جید ماجعل الربا کردیئہ حتی لا یجوز بیع احدھما بالآخر متفاضلا لقولہ علیہ السلام "وجیدھا وردیھا سواء".

(البحر الرائق ۶/۲۱۳ ... ۲۱۶، ط:رشیدیۃ)

۔کذا فی الھدایۃ ۳/۸۳، ط:رحمانیۃ

۔کذا فی الشامیۃ ۵/۱۷۱، ط:سعید

کرنسی کا مسئلہ:

مختلف ممالک کی کرنسیاں جنس واحد ہیں یا اجناس مختلفہ ہیں؟

مختلف ممالک کی کرنسیوں کے جنسِ واحد ہونے کی دلیل:

مختلف ممالک کی کرنسیاں جنس واحد ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اختلاف جنس کے اسباب تین ہیں:

اسبابِ اختلافِ جنس:

(۱) اختلافِ اصل: جیسے انگور کا سرکہ اور کھجور کا سرکہ۔ ایک سرکہ کی اصل انگور ہے اور دوسرے سرکہ کی اصل کھجور ہے، اس لیے یہ مختلف جنس ہیں۔ لہٰذا ان میں کمی، زیادتی جائز ہے۔

(۲) اختلاف وصف: یعنی وزن، لیٹر اور عدد کا اختلاف، جیسے ایک شے وزنی ہے اور ایک گنتی والی ہے جیسے آٹا اور روٹی (آٹا وزن سے بکتا ہے اور روٹی گن کر) لہٰذا ان کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے۔

(۳) اختلاف مقصد: جیسے بکرے کے بال اور دنبہ کی اون۔ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے۔ بکرے کے بالوں سے خیمے بنائے جاتے ہیں اور اون سے گرم کپڑے بنتے ہیں اس لیے یہ مختلف جنس ہیں، لہٰذا ان کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : والحاصل ان الاختلاف باختلاف الاصل او المقصود او بتبدل الصفة فليحفظ.

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ : (قوله باختلاف الاصل) كخل الدقل مع خل العنب......(قوله او المقصود) كشعر المعز وصوف الضأن......(قوله او بتبدل الصفة) كالخبز مع الحنطة.......
(الشامية ۱۸۳/۵، ط:سعيد)

ـ كذا في مجمع الانهر ۹۳/۳، ط:دار احياء التراث
ـ كذا في الفقه الاسلامي وادلته ۳۷۱۵/۵، ط:رشيدية

اسبابِ ثلاثہ اور کرنسی:

سبب نمبر ۱: اختلافِ اصل: کرنسی کی اصل کیا ہے؟

اس میں دو قول ہیں: (۱) کاغذ (۲) قوتِ خرید یا ثمنیت

اگر اصل کاغذ کو قرار دیا جائے تو سب کو معلوم ہے کہ ہر ملک کی کرنسی کی اصل کاغذ ہے، لہٰذا اصل کے اعتبار سے سب ایک ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تب ہوتا کہ مثلاً پاکستان کی کرنسی اور ڈالر پلاسٹک پر اور ریال لکڑی پر ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

اگر اصل قوتِ خرید کو بنایا جائے تو بھی تمام ملکوں کی کرنسی کی اصل ایک ہے، کیونکہ ہر ملک کی کرنسی میں قوتِ خرید ہے، البتہ کسی میں زیادہ اور کسی میں کم اور اس فرق کا شرعاً اعتبار نہیں ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جیدھا و ردیھا سواء'' (ان کا عمدہ اور گھٹیا برابر ہیں)

سبب نمبر۲: اختلافِ وصف: اس اعتبار سے بھی تمام ملکوں کی کرنسی جنس واحد ہے، کیونکہ ہر ملک کی کرنسی گنی جاتی ہے یعنی عددی ہے، مختلف جنس اس وقت ہوتی جب ایک ملک کی کرنسی عددی ہوتی اور دوسرے کی وزنی اور تیسرے کی پیمانے کے ذریعے ناپی جاتی، جبکہ ایسا نہیں۔

سبب نمبر۳: اختلافِ مقصد: اس اعتبار سے بھی تمام ملکوں کی کرنسیاں ایک جنس ہیں، کیونکہ کرنسی کا مقصد حصولِ اشیاء ہے یعنی ان کے ذریعے چیزوں کو حاصل کرنا اور یہ ہر ملک کی کرنسی کا مقصد ہے۔

اشکال: بعض کہتے ہیں کہ نام بدلنے سے بھی جنس بدل جاتی ہے جیسے گندم کا نام الگ ہے اور جو کا نام الگ ہے، لہٰذا جب کرنسیوں کا نام الگ الگ ہے، کسی کا نام ڈالر ہے، کسی کا نام ریال ہے، کسی کا درہم وغیرہ وغیرہ تو یہ بھی مختلف الجنس ہوں گی۔

جواب: صرف نام کی تبدیلی سے جنس نہیں بدلتی۔ دیکھیے! بکرا اور دنبہ دونوں کا نام الگ ہے پھر بھی جنس ایک ہے۔ اگر کسی کے پاس ۲۰ عدد بکرے ہیں اور ۲۰ عدد دنبے ہیں اور جنگل میں چرتے ہیں تو اس کے ذمے ایک بکرا یا دنبہ زکوۃ میں دینا واجب ہے۔ اسی طرح ایک کے پاس دنبے کا گوشت ہے اور دوسرے کے پاس بکرے کا گوشت ہے تو اگر آپس میں بیع اور تبادلہ کریں گے تو وزن میں برابری ضروری ہے، کمی زیادتی سود ہے۔ اسی طرح ایک طرف بکری کا دودھ ہے اور دوسری طرف بھیڑ کا دودھ ہے، ان کے تبادلے میں بھی برابری ضروری ہے، کمی زیادتی سود ہے۔ ان تینوں صورتوں میں شریعت نے ان کو جنسِ واحد قرار دیا ہے حالانکہ نام مختلف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف نام کا اختلاف جنس کے اختلاف کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ نام کے اختلاف کے ساتھ ساتھ حقیقت اور مقصد یا وصف میں بھی اختلاف ضروری ہے، جیسے گندم اور جو کے ناموں کے اختلاف کے ساتھ ساتھ دونوں کی حقیقت اور مقصد بھی مختلف ہے، کرنسی کے صرف ناموں میں اختلاف ہے۔ حقیقت، مقصد اور صفت میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا صرف نام کی وجہ سے یہ مختلف جنس نہیں ہوں گی، جیسے بکرا اور دنبہ صرف نام کے اختلاف سے مختلف جنس نہیں۔

قال العلامة شيخي زاده الحنفي رحمه الله تعالىٰ : والجاموس مع البقر جنس واحد وكذا المعز مع الضأن والبخت مع العراب فلا يجوز بيع لحم البقر بالجاموس متفاضلا لا تحاد الجنس بدليل الضم في الزكاة للتكميل فكذا اجزاء هما مالم يختلف المقصود كشعر المعز و صوف الضأن فانهما جنسان......

(مجمع الانهر ۹۳/۳،ط:دار احياء التراث)

کرنسی کے تبادلے کا قانون: دوشرطوں سے ان کا آپس میں تبادلہ جائز ہے:

شرط نمبر۱: بین الاقوامی قیمت کے مطابق ہو،کمی یا زیادتی ہوگی تو سود ہوگا۔

شرط نمبر۲: ہاتھ در ہاتھ یعنی مجلس میں تبادلہ ہو،یعنی اسی مجلس میں ہر ایک کرنسی پر قبضہ کرلے۔

مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:......لہٰذا اندرونی و بیرونی دونوں قسم کے مبادلہ میں تفاضل جائز نہیں البتہ بیرونی مبادلہ میں حکومت کے متعین نرخ سے کم وبیش کرنا تفاضل ہے،نرخ کے مطابق کمی بیشی صرف صورۃً تفاضل ہے حقیقۃً نہیں اس لیے جائز ہے۔نساء حرام ہے لاتحاد الجنس۔(احسن الفتاویٰ ۹۳/۷،ط:سعید)

ناجائز صورتیں: ناجائز صورتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ دونوں شرطیں نہ ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ ہوگی،وہ صورت ناجائز ہے :

(۱) زید نے ہنڈی وحوالہ والے(منی چینجر) سے کہا اس وقت ریال کی کیا قیمت ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک لاکھ ریال کی قیمت پینتیس لاکھ پاکستانی روپے ہے،زید نے اسے پینتیس لاکھ پکڑا کر کہا کہ کل پرسوں مجھے ایک لاکھ ریال دے دینا۔

یہ صورت ربا اور سود ہے اور اس صورت میں ادھار اور مدت بھی سود کے حکم میں ہے۔

(۲) تاجر نے ہنڈی وحوالہ والے(منی چینجر) کو مثلاً دس لاکھ پاکستانی روپے دیے اور کہا کہ اس کے دبئی میں مجھے بین الاقوامی قیمت کے مطابق اتنے درہم وہاں دے دو۔

یہ صورت بھی ناجائز ہے اور اس صورت میں ادھار اور مدت بھی سود کے حکم میں ہے۔

(۳) تاجر نے ہنڈی وحوالہ والے(منی چینجر) سے کہا کہ مجھے سعودیہ میں آج کے ریٹ کے مطابق تقریباً پینتالیس ہزار پاکستانی روپے کے بدلے میں ایک ہزار ریال دو۔

یہ صورت بھی ناجائز ہے،اس میں بھی ادھار سود کا گناہ ہے۔

(۴) تاجر نے ہنڈی وحوالہ والے(منی چینجر) سے کہا کہ میں ایک مہینے کے بعد کا چیک دیتا ہوں مثلاً دس لاکھ کا،آپ اس دس لاکھ پاکستانی کے بدلے میں آج مجھے ریال دو،تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ابھی نقد پاکستانی نہیں دے رہے اس لیے میں ایک ریال چالیس روپے میں یعنی پانچ روپے مہنگا دوں گا

بین الاقوامی ریٹ کی نسبت سے۔

یہ صورت بھی ناجائز ہے اور اس میں دو قسم کا سود ہے ایک زیادتی کا اور دوسرا ادھار کا۔

(۵) ایک شخص ہنڈی وحوالہ والے (منی چینجر) کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ایک مہینے کی مدت کے لیے مجھے پانچ لاکھ کی حوالہ کی پرچی دے دو، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، لیکن اس پر آپ سے پچیس ہزار زیادہ لوں گا۔

اس میں تین گناہ ہیں: (۱) زیادتی کا سود۔ (۲) اھار کا سود۔ (۳) ادھار کے بدلے ادھار بیچنا، اس کو ''بیع الکالی بالکالی'' اور ''بیع الدین بالدین'' کہتے ہیں۔ اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(۶) ایک شخص ہنڈی وحوالہ والے (منی چینجر) کے پاس گیا اور اس سے کہا: آج کی قیمت کے حساب سے میرے کھاتے میں ایک لاکھ ڈالر لکھ لو جن کی قیمت اس وقت مثلاً پچپن لاکھ روپے بنتی ہے، نہ اس نے کچھ دیا اور نہ ہی کچھ لیا، ایک مہینہ بعد یہ شخص پھر جاتا ہے اور اپنا کھاتہ دیکھتا ہے، اگر ڈالر کی قیمت بڑھ گئی ہے اور اس وقت ایک لاکھ ڈالر پچپن لاکھ کے بجائے ساٹھ لاکھ کے ہوگئے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ (منی چینجر) پر وہ ڈالر بیچ دیے اور پانچ لاکھ زائد اس سے وصول کرلیے، اور اگر قیمت کم ہوگئی ہو کہ ایک لاکھ ڈالر پچاس لاکھ پاکستانی روپے کے برابر ہو چکا ہو تو ہنڈی والا کہتا ہے کہ واپس ہم پر بیچ دو، انہوں نے پانچ لاکھ کم پر بیچ کر پانچ لاکھ کما لیے۔

اس میں چار گناہ ہیں۔ (۱) سود کا گناہ (۲) قمار (جوے) کا گناہ (۳) ادھار کے بدلے ادھار کا گناہ (۴) غیر یقینی معاملہ (غَرَر)

تنبیہ: تبادلے اور ترسیل کی ناجائز صورتوں میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنے سے وہ صورتیں جائز ہوں گی:

(۱) کرنسی کا تبادلہ بین الاقوامی قیمت کے مطابق ہو۔

(۲) مجلس میں ہی ہر ایک دوسرے کی کرنسی پر قبضہ کرلے۔

(۳) رقم بھجوانے کی صورت میں اگر کرنسی کا تبادلہ بھی ہو رہا ہو تو مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جائے:

(الف) پہلے مجلس میں تبادلہ ہو، پھر رقم بھجوائی جائے۔مثلاً دبئی میں حوالہ والے سے کہا کہ یہ ایک ہزار درہم لو اور اس کے جتنے پاکستانی روپے بنتے ہیں کراچی میں فلاں شخص کو دے دو۔اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ایک ہزار درہم کے جتنے پاکستانی روپے بنتے ہیں وہ اس سے اُسی مجلس میں لے لیے جائیں اور پھر وہ پاکستانی روپے اس کو قرض دے کر بھجوائے جائیں۔

(ب) جتنی رقم بھجوانی ہے وہ بطورِ قرض بھجوائی جائے اور پھر قرض بھجوانے والے کا وکیل جب اس رقم کو وصول کرے تو اُس دن کی قیمت کے لحاظ سے دوسری کرنسی میں اپنا قرض وصول کرے۔مثلاً مذکورہ مثال میں ایک ہزار درہم حوالے والے کو بطورِ قرض دے کر پاکستان بھجوائے جائیں اور جس دن پاکستان میں بھجوانے والے کا وکیل وصول کرے تو اسی دن کی قیمت کے لحاظ سے وہ ہزار درہم قرض پاکستانی روپے میں تبادلہ کر کے وصول کرے۔

بینک چیک اور نقد روپے کا تبادلہ: اس کی کئی صورتیں ہیں، بعض ناجائز ہیں اور بعض جائز ہیں:

(۱) زید نے پچاس ہزار کا چیک عمرو کو دیا اور عمرو نے انچاس ہزار روپے نقد دیے۔

یہ صورت ربا کی وجہ سے ناجائز ہے: اور ربا دو وجہ سے ہے: ایک......زیادہ لینے کی وجہ سے، دوسرا ......ایک طرف سے ادھار کی وجہ سے۔

(۲) زید نے عمرو کو پچاس ہزار کا چیک دیا اور عمرو نے اسی وقت اس کے بدلے میں پچاس ہزار روپے نقد دیے۔

یہ صورت بھی سود ہے کیوں کہ ایک طرف سے نقد ہے اور ایک طرف سے ادھار ہے۔

(۳) زید نے عمرو کو ۵۰ ہزار کا چیک دے کر کہا کہ آپ پچاس ہزار روپے مجھے قرض دے دیں اور بعد میں اپنا قرض اس چیک کے ذریعے سے میرے مقروض بینک سے وصول کر لینا، عمرو نے کہا: ٹھیک ہے۔

یہ صورت جائز ہے۔

تنبیہ: بیع کی صورت میں ضمان منتقل ہو جاتا ہے اور قرض کی صورت میں چیک اس کے ہاتھ میں امانت ہے جب تک وہ رقم میں تبدیل کر کے اپنے قرض کے عوض میں وصول نہیں کرتا، اگر بغیر تعدی اور غفلت کے ضائع ہو جائے تو مالک کا ضائع ہوگا۔

(۴) زید نے عمرو کو پچاس ہزار کا چیک دے کر کہا: یہ چیک اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر لو، جب پیسہ

تمہارے اکاؤنٹ میں آجائے گا تو یہ آپ کے ذمہ قرض ہوگا، بعد میں یہ قرض پچاس ہزار مجھے دے کر ادا کرنا، عمرو نے کہا: ٹھیک ہے۔

یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۵) زید نے عمرو کو ایک لاکھ کا چیک بطورِ قرض دیا، عمرو نے بینک سے جب وصول کیا تو بینک نے چھ سو روپے کاٹ کر اس کو دیے، اب یہ زید کو لاکھ روپے دے گا یا چھ سو کم؟ اس طرح قرض لینا دینا جائز ہے، البتہ عمرو کے ذمہ اتنا قرض ہوگا جو زید کے وکیل اور محتال علیہ نے دیا ہے، یعنی چھ سو کم ایک لاکھ روپے، پورے لاکھ روپے لینے کی شرط لگانا اس صورت میں ناجائز ہے اور یہ سودی قرض ہے۔

(۶) زید نے عمرو کے قرض مانگنے پر کہا کہ کل آجاؤ! میں بینک سے آپ کے لیے تین لاکھ روپے نکال کر لاؤں گا لیکن فی لاکھ چھ سو روپے آپ سے بینک کٹوتی لوں گا، چنانچہ دوسرے دن عمرو نے بینک کٹوتی کے نام سے اٹھارہ سو روپے دیے اور تین لاکھ روپے نقد ادھار لے گیا۔

اس صورت میں بھی بینک کٹوتی کے نام سے لینا دینا سود ہے، یہ سودی قرض ہے جس کا لینا دینا، ناجائز ہے۔

انعامی بانڈ خریدنا: اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ڈیلر سے خریدنا (۲) اسٹیٹ بینک سے خریدنا۔ ڈیلر سے خریدنا تین وجوہ سے ناجائز ہے:

وجہ نمبر۱: قرض کو مقروض کے سوا دوسرے پر بیچنا ناجائز ہے، جبکہ یہاں ڈیلر اپنا وہ قرض جو اسٹیٹ بینک پر ہے، کو اسٹیٹ بینک کے سوا دوسرے شخص کو بیچ رہا ہے۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : وأما بیع هذاه الدیون من غیر من علیه والشراء بها من غیر من علیه فینظر ان اضاف البیع والشراء الی الدین لم یجز،......لان مافی ذمة فلان غیر مقدور التسلیم فی حقه، والقدرة علی التسلیم الشرط انعقاد العقد علی مامر بخلاف البیع والشراء بالدین ممن علیه الدین.

(بدائع الصنائع ۳۹۹/۴، ط: رشیدیة)

وجہ نمبر۲: اس میں زیادتی کا سود ہے کیونکہ ڈیلر کمیشن کے ساتھ بیچتا ہے یعنی ایک لاکھ کے انعامی بانڈ ایک لاکھ دس ہزار میں بیچتا ہے، لہٰذا یہ دس ہزار سود ہے۔

وجہ نمبر۳: اس میں ادھار کا سود بھی ہے، کیونکہ خریدار سودے کی مجلس میں نقد رقم دیتا ہے جبکہ ڈیلر نقد رقم اس وقت نہیں دیتا بلکہ انعامی بانڈ جس کی حیثیت دستاویز اور رسید کی ہے وہ دیتا ہے، کرنسی اور مال نہیں دیتا۔

تنبیہ: مندرجہ بالا تین وجوہ ان کے لیے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم انعام کی رقم خود استعمال نہیں کریں گے بلکہ مساکین پر صدقہ کریں گے۔ اور جو لوگ انعام کی خاطر خریدتے ہیں ان کے حق میں دو گناہ اور بھی ہیں:

(۱) جوا اور قمار۔ کیونکہ اگر سالہا سال تک خریدنے والے کا نام نہیں نکلتا تو انعامی بانڈ جاری کرنے والے جیت گئے، وہ مفت میں پیسے استعمال کر رہے ہیں اور کتابوں میں ہے: النقد خیر من النسیئۃ (نقد ادھار سے بہتر ہے) اور اگر جلدی خریدار کا نام آجائے تو یہ جیت جائے گا۔

(۲) سود کا گناہ بھی اس میں ہے، کیونکہ تھوڑے پیسوں کے بدلے خریدار کو زیادہ پیسے مل جاتے ہیں اور یہ زیادتی اس قرض کے بدلے میں ہے جو اس نے جاری کنندہ کو دیا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: ''سوال: انعامی بانڈ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب باسم ملہم الصواب: جائز نہیں۔ سود اور جوا کا مجموعہ ہے اور حرام در حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۲۶، سعید)

۔کذا فی فتاویٰ عثمانی ۳/۱۷۳، ط: دار العلوم کراچی

اسٹیٹ بینک سے انعامی بانڈ خریدنا:

اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسٹیٹ بینک بہت سارے بینکوں کو سودی قرضے دیتا ہے تو خریدار کا پیسہ جو اسٹیٹ بینک پر قرض ہے، یہ پیسہ بھی اسٹیٹ بینک ناجائز امور پر خرچ کرے گا اور ناجائز کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون اور مدد کرنا جائز نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان [المائدۃ : ۲]، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔

قومی بچت اسکیم کا حکم:

اس میں سود کا گناہ ہے کیونکہ جو لوگ اس نام سے اسکیم چلانے والوں کو رقم دیتے ہیں یہ رقم ان کے ذمہ قرض ہوتا ہے، اور قرض پر بچت کے نام سے کچھ لینا دینا شرعاً سود ہے۔ لہٰذا اس اسکیم میں رقم جمع کرنا اور حصہ دار بننا جائز نہیں ہے۔

عن علی امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ مرفوعا : کل قرض جر منفعۃ فھو ربا، وکل قرض شرط فیہ الزیادۃ فھو حرام بلا خلاف. (اعلاء السنن ۱۴/۴۹۹، ط: ادارۃ القرآن)

انشورنس اور بیمہ کا حکم: یہ دو وجہ سے ناجائز ہے:

(۱) یہ قمار اور جوا ہے۔ اگر شرائط کے مطابق بیمہ لینے والے کا نقصان ہوا تو یہ جیت گیا، اس کو زیادہ

رقم مل جائے گی اور اگر شرائط کے مطابق متعین مدت میں نقصان نہ ہوا تو بیمہ کمپنی جیت گئی، اس کو پیسے مفت میں مل گئے۔

(۴) یہ سود ہے۔ کیونکہ بیمہ کمپنی سے پالیسی لینے والے کی رقم شرعاً قرض ہے اور قرض پر کسی بھی نام سے زیادہ لینا سود ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے : بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں۔(فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۳۸۷، ط: فاروقیہ)

كذا في احسن الفتاوىٰ ۷/ ۲۴، ط: سعید

تکافل یعنی نام نہاد اسلامی بیمہ کا حکم:

یہ بھی بیمہ اور انشورنس کی طرح مذکورہ بالا دو وجوہ (قمار اور سود) سے ناجائز ہے، البتہ تکافل والے اقساط جمع کرنے کو چندہ کہتے ہیں اور نقصان کی صورت میں کمپنی جو رقم دیتی ہے اس کو عطاء مستقل یعنی مستقل تعاون کہتے ہیں جبکہ پالیسی ہولڈر کی طرف سے جو قسط وار رقم جمع ہوتی ہے اس پر چندہ کی تعریف اور حقیقت صادق نہیں، کیونکہ چندہ اس کو کہا جاتا ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے دے، عوض اور بدل ملنے کی لالچ اور نیت سے نہ دے اور تکافل کی پالیسی لینے والے بوقتِ نقصان عوض اور بدل ملنے کی نیت سے رقم دیتے ہیں، جس کا اقرار خود تکافل کمپنی بنانے والے بھی کر رہے ہیں۔ اسی طرح تکافل کمپنی نقصانات کی صورت میں جو رقم دیتی ہے وہ بھی عطاء مستقل نہیں بلکہ پالیسی ہولڈر کی رقم کے عوض اور بدلے میں دیتی ہے، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جس شخص نے پالیسی نہیں خریدی اس کا کتنا ہی نقصان ہو جائے اور وہ کتنا ہی تعاون و مدد کا محتاج ہو، یہ اس کو ایک روپیہ بھی نہیں دیں گے۔

اس کی تفصیل ہماری کتاب "مروجہ تکافل اور شرعی وقف" میں ملاحظہ کریں۔

اجارہ (کرایہ داری) :

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اجارۃ الاعیان یعنی کوئی چیز کسی کو کرایہ پر دینا جیسے گھر کرایہ پر دینا۔

(۲) اجارۃ الاشخاص یعنی کسی شخص کو اجرت پر مقرر کرنا۔ جیسے دیوار بنوانے کے لیے مستری، مزدور سے کام کرانا۔

وفي الهندية : (واما بيان انواعها)فنقول انها نوعان نوع يرد على منافع الاعيان كاستيجار الدور والاراضي والدواب والثياب وما اشبه ذلك ونوع يرد على العمل كاستيجار المحترفين للاعمال كالقصارة والخياطة والكتابة وما اشبه ذلك كذا في المحيط.(الهندية ۴/ ۴۱۱، ط: رشيدية)

اجارۃ الاشخاص کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شخصی مزدور: جو کسی خاص فرد یا کسی خاص ادارے کی نوکری یا مزدوری کرے۔

(۲) عام مزدور: جس شخص کے لیے چاہے مزدوری کر سکتا ہے جیسے درزی، رنگ ساز وغیرہ۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : (الاجراء على ضربين: مشترك وخاص، فلاول من يعمل لالواحد) كالخياط ونحوه(اويعمل له عملا غير مؤقت...... او مؤقتا بلا تخصيص، ......(والثاني) وهو الاجير(الخاص) ويسمى اجير وحد(وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص.(الشامية ۶/ ۶۴ ... ۶۹،ط:سعيد)

چیزوں کے اجارہ کی کچھ صورتیں:

(۱) **مکان اور دکان کرایہ پر دینا:** اس کے جائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کرایہ معلوم ہو اور دکان اور مکان کا رقبہ بھی معلوم ہو۔ اور اس کا وقت (مدت) بھی معلوم ہو کہ مثلاً ایک مہینے کا کرایہ اتنا ہے، اور ایک سال کے لیے یا گیارہ مہینے کے لیے کرایہ پر دے رہا ہوں۔ اگر پوری مدت معلوم نہیں تو پھر یہ ایک مہینہ کے لیے درست ہوگا اور دوسرے مہینے میں ہر ایک کو اختیار ہوگا عقد ختم کرنے، جاری رکھنے کا بھی اور اجرت میں کمی اور اضافے کا بھی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : تفسد الاجاره بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أواجرة أومدة او عمل.(الشامية ۶/ ۴۶،ط:سعيد)

وفي الهندية : وان آجر دارا كل شهر بدرهم صح العقد في شهر واحد و فسد في بقية الشهور واذا تم الشهر الاول فلكل واحد منهما ان ينقض الاجارة لانتهاء العقد الصحيح ولو سمى جملة الشهور جاز وفي ظاهر الرواية لكل واحد منهما الخيار.(الهندية ۴/ ۴۱۶،ط:رشيدية)

(۲) **بار برداری کے لیے سوزوکی وغیرہ کرایہ پر لینا:** اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وقت طے کر لے کہ کتنے وقت تک میں اسے کام میں لاؤں گا، پھر اس وقت میں بار برداری کا کام لیا یا نہیں؟ اجرت لازم ہے۔

(۳) **تقریب کے لیے کرسیاں وغیرہ سامان کرایہ پر لینا:** اس میں بھی ایام وغیرہ وقت کی تعیین ضروری ہے۔ پھر حوالہ کرنے کے بعد کرایہ دار استعمال کرے یا نہ کرے، ہر صورت میں اجرت لازم ہے۔

وفي الهندية : وكما يجب الاجر باستيفاء المنافع يجب بالتمكن من استيفاء المنافع اذا كانت الاجارة صحيحة حتى ان المستأجر دارا او حانوتا مدة معلومة ولم يسكن فيها في تلك المدة مع تمكنه من ذلك تجب الاجرة كذا في المحيط.(الهندية ۴/ ۴۱۳،ط:رشيدية)

وفيها :ولواستاجر حليا يزين به عروسه عشرة ايام وقبض الحلي ولم يزين العروس قال يلزم الاجر كذ في محيط السرخسي.(الهندية ۴/ ۴۱۴،ط:رشيدية)

قانون نمبرا: کرایہ پر لی گئی چیز امانت ہوتی ہے۔

کرایہ دار کے قبضے میں دکان، مکان امانت ہے۔ اگر کرایہ دار کی زیادتی کے بغیر دیوار گر جائے یا وقت گزرنے کے ساتھ رنگ و روغن خراب ہوجائے یا پانی کی موٹر خراب ہوجائے تو اس کا ضمان اور تاوان کرایہ دار کے ذمہ نہیں البتہ جو نقصان کرایہ دار نے عمداً اپنے اختیار سے زبردستی کیا ہے اس کا ضمان کرایہ دار پر ہے۔

قال ملک العلماء الكاسانی رحمه الله تعالیٰ: واما العين فنقول: لا خلاف فی أنه لا يجوز الرهن بالعين التی هی أمانة فی يد الراهن كالوديعة والعارية ...... والمستاجر ونحوها فانها ليست مضمونة اصلاً.

(بدائع الصنائع ۲۰۷/۵، ط: رشيدية)

قال العلامة غياث الدين البغدادی الحنفی رحمه الله تعالی: وفی البزازية: العين المستأجرة أمانة اجماعاً.

ـــ وقال صاحب المحيط: هو أمانة فی يده فاذا قصر فی حفظه ضمن. من القنية.

(مجمع الضمانات، ص: ۲۴، ط: دار الكتاب العلمية، بيروت)

قانون نمبر۲: کرایہ پر لی گئی چیز کو قابلِ منفعت بنانا مالک کی ذمہ داری ہے۔

جس چیز کا مالک کرایہ لیتا ہے اگر وہ خراب ہوجائے تو درستگی، مرمت مالک کے ذمہ ہے، جتنے دنوں تک اس نے مرمت نہیں کی اور وہ خراب رہی اتنے دنوں کا کرایہ لینا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

مسئلہ: گاڑی کرایہ پر لینے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مالک خود چلاتا ہے۔ (۲) مالک خود نہیں چلاتا بلکہ گاڑی کرایہ دار کے حوالے کرتا ہے۔

اگر مالک خود یا اس کا وکیل یعنی ڈرائیور چلاتا ہے تو اس میں عموماً جھگڑے نہیں ہوتے، چلنے کے وقت ٹائر پھٹ گیا، کلچ خراب ہوگیا یا کوئی اور نقصان ہوگیا تو مالک سمجھتا ہے کہ یہ میرے ذمہ ہے، البتہ جب گاڑی خود نہیں چلاتا بلکہ کرایہ دار چلاتا ہے تو قانون اس میں بھی یہ ہے کہ استعمال اور چلانے کے زمانے میں جو نقصان کرایہ دار نے جان بوجھ کر کیا ہے اس کا ضامن اور ذمہ دار کرایہ دار ہے اور جو جان بوجھ کر نہیں کیا اس کا ذمہ دار مالک ہے، کرایہ دار نہیں۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: وفی التبيين: لو انقطع ماء الرحی والبيت مما ينتفع به لغير الطحن فعليه من الأجر بحصته لبقاء بعض المعقود عليه فإذا استوفاه لزمته حصته فإن لم يخل العيب به أو أزاله المؤجر أو انتفع بالمختل سقط خياره لزوال السبب. وعمارة الدار المستأجرة وتطيينها وإصلاح الميزاب وما كان من البناء علی رب الدار وكذا كل ما يخل بالسكنی فإن أبی صاحبها أن يفعل كان للمستأجر أن يخرج منها إلا أن يكون المستأجر استأجرها وهی كذلک وقد رآها لرضاه بالعيب. (الشامية ۱۳۳/۹، ط: رشيدية)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالی: (قوله: وانقطاع ماء الرحی) فلو لم يفسخ حتی عاد الماء لزمت

ویرفع عنه من الاجر بحسابه وقیل : حساب ایام الانقطاع وقیل :بقدر حصة ماانقطع من الماء والاول اصح لان ظاهر الروایة یشهد له فانه قال فی الاصل : الماء اذا انقطع الشهر کله ولم یفسخها المستأجر حتی مضی الشهر فلا اجر علیه فی ذلک .(الشامیة ۹/ ۱۳۱،ط:رشیدیة)

۔کذا فی الهندیة ۴/۴۶۸،ط:رشیدیة

بینک کی گاڑی جو لیز اور کرایہ پر دی جاتی ہے، اس میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عام استعمال سے جو نقصانات ہوں گے ان کے ذمہ دار بھی کرایہ دار ہیں، یہ شرط قانونِ شریعت کے خلاف ہے۔ کرایہ دار پر ظلم، زبردستی اور اس شرط کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہے اور معاملہ فاسدہ بحکمِ سود ہے، لہٰذا اس میں سود کا گناہ ہے۔

اس کی مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''اجارہ بنوکیہ'' ملاحظہ کریں۔

قانون نمبر ۳: اجارہ اس عمل یا چیز کا ہوتا ہے جس کی عام ضرورت ہو۔

اجارہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جس عمل کی حاجت ہوتی ہے اس پر اجارہ جائز ہے، حاجت نہیں تو جائز نہیں۔

لہٰذا درج ذیل صورتوں میں حاجت نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ جائز نہیں:

(۱) درخت کو کپڑے سکھانے کے لیے کرایہ پر لینا۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالی: ومنها : ان تکون المنفعة مقصودة یعتاد استیفاؤها بعقد الاجارة ویجری بها التعامل بین الناس لانه عقد شرع بخلاف القیاس لحاجة الناس ولا حاجة فیما لاتعامل فیه للناس فلایجوز استئجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیها والا ستظلال بها لان هذه منفعة غیر مقصودة من الشجر.
(بدائع الصنائع ۴/۴۶،ط:رشیدیة)

۔کذا فی الهندیة ۴/۴۱۱،ط:رشیدیة

(۲) کسی کو سامان خریدنے کی جگہ اور دکان بتانا، جیسے مستری اور مکینک وغیرہ کاریگر لوگوں کی رہنمائی مخصوص دکانوں کی طرف کرتے ہیں اور پھر دکاندار سے اپنا کمیشن وصول کرتے ہیں۔

(۳) میڈیکل اسٹور والوں کا ڈاکٹر کو دوا کی پرچی لکھنے پر کمیشن کے نام سے دینا۔ یہ بھی رشوت میں داخل ہے، اجارہ واجرت نہیں۔

تنبیہ: البتہ اگر بعض علاقے ایسے ہوں جہاں تک مسافر کا پہنچنا مشکل ہو اور کوئی آدمی اپنے آپ کو اس کام کے لیے خاص کر دے کہ میں رہنما بن کر لوگوں کی مطلوبہ جگہ تک رہنمائی کروں گا تو پھر اس شخص کا اجرت پر لینا اور اس شخص کے لیے پہنچنے والے سے اجرت لینا جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی جس

کے گھر اور دکان پر پہنچایا ہے اس گھر والے اور دکاندار سے لینا جائز نہیں۔

وفي الوالوالجية : رجل ضاع له شئ :فقال من دلني عليه فله كذا ، فهذا على وجهين : ان قال ذلک على سبيل العموم بأن قال : من دلني فالاجارة باطلة، لان المستأجر له ليس معلوما والدلالة والاشارة ليس بعمل يستحق به الأجر، فلا يجب الاجر ، وان قال ذلک على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه : ان دللتني عليه فلک كذا ان مشى له ودله يجب له اجر المثل في المشي لان ذلک عمل يستحق بعقد الاجارة، الا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر المثل وان دله بغير مشي فهو والاول سواء.(الوالوالجية ۳/۳۴۴،ط:فاروقیه)

ـ كذا في الشامية ۶/۹۵،ط:سعيد

قانون نمبر۴: جو کام شرعاً واجب و لازم ہو اس پر اجارہ جائز نہیں

قال ملک العلماء الكاساني رحمه الله تعالى : ومنها ان لا يكون العمل المستاجر له فرضا ولاواجبا على الاجير قبل الاجارة فان فرضا او واجبا عليه قبل الاجارة لم تصح الاجارة لان من اتى بعمل يستحق عليه لا يستحق الأجرة كمن قضى دينا عليه.(البدائع ۴/۴۳،ط:رشيدية)

ـ كذا في الهندية ۴/۴۱۱،ط:رشيدية

جو کام شرعاً واجب اور لازم ہو اس پر اجارہ کر کے اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے کسی مظلوم کے لیے ظالم سے قرض نکلوانا، اس کام پر اجرت لینا جائز نہیں۔ آج کل عرف میں اس کو ''ریکوری'' کہا جاتا ہے۔ البتہ اس میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) صراحتاً یا عرفاً یہ شرط ہو کہ اس ریکوری کے عمل پر اتنی اجرت دی جائے گی۔

حکم: یہ ناجائز و حرام ہے اور لینے والا ہر صورت میں گنہگار اور حرام لے رہا ہے، البتہ دینے والا اگر مجبور ہے اور بغیر اجرت کے کوئی نہیں مل رہا تو اس کے لیے دینا جائز ہے، کیونکہ یہ دفع ظلم کے لیے دے رہا ہے۔

(۲) لینا، دینا مشروط نہیں، البتہ یہ نیت ہے کہ اس کام پر کچھ ملے گا یا اس کام کی وجہ سے دے رہا ہے۔

حکم: بہتر یہ ہے کہ نہ دے، البتہ لینے کی گنجائش ہے۔

(۳) لینے دینے کی کسی قسم کی کوئی نیت نہ تھی، پھر بھی دیا۔

حکم: اس صورت میں لینا، دینا اتفاقاً جائز ہے اور لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ : ثم الرشوة اربعة اقسام :......الثالث :اخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ لا الدافع......وفي الأقضية...... قال : هذا اذا كان فيه شرط، أما اذا كان الاهداء بلا شرط ولكن يعلم يقينا أنه انما يهدى اليه ليعينه عند السلطان فمشايخنا على أنه لا بأس به، ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع فاهدى اليه بعد ذلک فهو حلال لابأس به، ......الرابع : مايدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه وماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب.(فتح القدير ۷/۲۳۶،ط:رشيدية)

ـ كذا في الشامية ۸/۴۲،ط:رشيدية

قانون نمبر۵: کرایہ پر لی گئی چیز کو آگے کرایہ پر دے کر حاصل شدہ نفع اس وقت حلال ہوگا جب کرایہ دار اس شےء میں اضافہ کر کے پھر آگے کرایہ پر دے

اگر کوئی شخص کسی سے کوئی مکان، دکان یا زمین کرایہ پر لے اور آگے کسی اور کو زائد کرایہ پر دے تو یہ زائد کرایہ حلال ہونے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) اصل مالک کی طرف سے کسی اور کو کرایہ پر دینے کی اجازت ہو۔

(۲) شیءِ موجَر (کرایہ پر دی گئی چیز) میں کچھ اضافہ کر کے کسی اور کو کرایہ پر دے۔

اگر ان دونوں شرائط میں سے کوئی شرط نہیں ہوگی تو کسی اور کو کرایہ پر دینا اور زائد کرایہ (نفع) خود رکھنا جائز نہ ہوگا۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : وللمستأجر فی إجارة الدار وغیرها من العقار أن ینتفع بها کیف شاء بالسکنی ووضع المتاع وأن یسکن بنفسه وبغیره وأن یسکن غیره بالإجارة والإعارة.إلا أنه لیس له أن یجعل فیها حدادا ولا قصارا ونحو ذلک مما یوهن البناء لما بینا فیما تقدم .ولو أجرها المستأجر بأکثر من الأجرة الأولی فإن کانت الثانیة من خلاف جنس الأولی طابت له الزیادة وإن کانت من جنس الأولی لا تطیب له حتی یزید فی الدار زیادة من بناء أو حفر أو تطیین أو تجصیص.فإن لم یزد فیه شیًا فلا خیر فی الفضل ویتصدق به لکن تجوز الإجارة.(بدائع الصنائع ۴/۶۷،ط:رشیدیة)

ـ کذا فی الشامیة ۶/۲۸،ط:سعید

مثال نمبر۱: زید نے اپنا مکان عمرو کو دس ہزار کرایہ پر دیا، عمرو نے وہی مکان اسی حالت میں آگے دوسرے کو بارہ ہزار کرایہ پر دیا، یہ ناجائز ہے اور دو ہزار زائد اس کے لیے حلال نہیں، البتہ اگر اس مکان میں اس نے کچھ مرمت وغیرہ کا کام کیا مثلاً پنکھے لگائے یا رنگ وروغن کیا تو پھر بارہ ہزار کرایہ پر دینا جائز ہے اور یہ زائد رقم اس کے لیے حلال ہے۔

مثال نمبر۲: زید نے عمرو سے کوئی ہوٹل مثلاً سالانہ پچاس لاکھ روپے کرایہ پر لیا، اور آگے لوگوں کو کرایہ پر دے کر ساٹھ لاکھ کمائے یعنی دس لاکھ نفع حاصل ہوا، تو یہ دس لاکھ نفع اس وقت حلال ہوگا جب زید اس ہوٹل میں رنگ، روغن، مرمت وغیرہ ساز وسامان کی صورت میں اضافہ کرے، ورنہ اضافی کرایہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگا۔

قانون نمبر۶: اجیر خاص کی ذمہ داری دو چیزیں ہیں:
(۱)وقت کی پابندی (۲)وقت میں کام کرنا

مثال نمبر۱: اسکول کا ماسٹر اجیر خاص ہے۔لہٰذا اس پر لازم ہے کہ پورے وقت اسکول میں حاضر رہے،اگر صبح آٹھ بجے سے لے کر چار بجے تک وقت ہے تو اس پورے وقت میں حاضر رہنا اس پر واجب ہے،ایک دو گھنٹے تاخیر سے جائے گا...... یا ایک دو گھنٹے چھٹی کے وقت سے پہلے چھٹی کرے گا تو اس کو طلبہ کی پڑھائی کے نقصان کا گناہ بھی ہوگا اور ان گھنٹوں کی اجرت اور تنخواہ بھی حرام ہوگی۔

اسی طرح اسکول کے ماسٹر پر یہ بھی لازم ہے کہ کلاسوں میں جا کر پڑھائے،اگر کلاسوں میں جا کر پڑھائی کے بجائے گپ شپ یا موبائل میں لگ کر وقت گزارتا ہے تو اس کو وقت ضائع کرنے کا گناہ بھی ہوگا اور اتنے وقت کی اجرت بھی حرام ہوگی۔

مثال نمبر۲: فیکٹری کا ملازم بھی اجیرِ خاص ہے، لہٰذا اس پر بھی لازم ہے کہ اوقات کی مکمل پابندی کرے اور مقررہ اوقات فضول کاموں کے بجائے اپنی ذمہ داریوں میں لگائے۔اگر ایسا نہیں کرے گا تو وقت ضائع کرنے کا گناہ بھی ہوگا اور اتنے وقت کی اجرت بھی حرام ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ (والثاني) وهو الأجير (الخاص) ويسمى أجير وحد (وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص......)...... وليس للخاص أن يعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوى النوازل.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قوله(وليس للخاص أن يعمل لغيره) بل ولا أن يصلي النافلة. قال في التتارخانية: وفي فتاوى الفضلي: وإذا استأجر رجلا يوما يعمل كذا فعليه أن يعمل ذلک العمل إلى تمام المدة ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة......قوله (ولو عمل نقص من أجرته إلخ) قال في التتارخانية: نجار استؤجر إلى الليل فعمل لآخر دواة بدرهم وهو يعلم فهو آثم وإن لم يعلم فلا شيء عليه وينقص من أجر النجار بقدر ما عمل في الدواة.(الشامية ۶/۷۰،ط:سعيد)

وقال العلامة خالد الاتاسي رحمه الله تعالىٰ: الأجير الخاص يستحق الأجر اذا كان في مدة الاجارة حاضرا للعمل ولا يشترط عمله بالفعل لكن ليس له ان يمتنع عن العمل واذا امتنع لا يستحق الاجرة.

(شرح المجلة للأتاسي ۲/۳۸۷،ط:رشيدية)

۔ وكذا في الوالوالجية ۳/ ۳۳۱،ط:فاروقيه

مثال نمبر۳: اسکول ماسٹر یا کسی فیکٹری ملازم وغیرہ اجیر خاص کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ اپنی جگہ کسی اور کو کام پر لگائے،اگر ایسا کرے تو جس کو اپنی جگہ لگایا ہے اس کی اجرت وتنخواہ حکومت یا ادارے کے ذمہ نہیں ہوگی بلکہ اسی کے ذمہ ہوگی۔

قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالىٰ : قال: واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه فليس له ان يستعمل غيره لانه المعقود عليه اتصال العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمنفعة في محل بعينه.

وقال العلامة العيني رحمه الله تعالى : (واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه) نقل عن حميد الدين الضرير هو مثل ان يقول ان تعمل بنفسك أو بيدك مثلا......(فليس له ان يستعمل غيره لانه المعقود عليه اتصال العمل في محل بعينه) اراد بالمحل نفس الصانع يعني شرط أن يكون محل هذا العمل هو لا غير فلا يجوز ان يستعمل غيره (فيستحق عنه) أي عين ذلك العمل.(البناية ۲۹٦/۹ ،ط:رشيدية)

تنبیہ : جس طرح اجیرِ خاص کا وقتِ مقررہ میں کام نہ کرنا......ناجائز اور ظلم ہے، اسی طرح مالک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ ملازم سے وقتِ مقررہ سے زیادہ کام لے، البتہ باہمی رضامندی سے وقت سے زیادہ کام کرنے میں کوئی حرج نہیں چاہے اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت کے۔